آثارِ عمرین پر ایک نظر

(۲)

آثارِ عمر رضی اللہ عنہ

جناب محمد اجمل اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

اس تبصرے کی پہلی دو قسطیں ڈاکٹر ابو النصر خالدی کے مقالہ "ادبی مصادر میں آثارِ عمرین" کے پہلے جزء آثارِ ابوبکرؓ شایع شدہ ماہنامہ برہان ماہ جولائی ۱۹۷۳ء سے متعلق تھی۔ اب ہم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آثار و اخبار پر ایک نظر ڈالیں گے جو ماہنامہ مذکور کے مارچ ۷۵ء سے اکتوبر ۱۹۷۵ء تک کے شماروں میں ۹ قسطوں میں شایع ہوئے ہیں۔

(۱) ڈاکٹر خالدی صاحب نے البیان و التبیین[1] اور کتاب الحیوان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے:-

"عمر جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ ژولیدہ بیان و کج مج زبان ہے تو کہتے: اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ عمر جیسے خوش بیان و زیرک اور اس جیسے گنگ ساکو پیدا کرسکے۔" (اثر ۲ شمارہ مارچ ۷۵ء)

پھر اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:-

---

[1] حیرت ہے کہ البیان و التبیین کا نام ۹ قسطوں میں بے شمار جگہوں پر آیا ہے مگر ہر جگہ "البیان و التبیین" (ایک یائے مشدد) لکھا ہوا ہے۔ اس لیے مجبوراً میں نے حوالہ میں صرف "البیان" لکھا ہے۔

"اس سے ظاہر ہے کہ عمر فصیح اللسان تھے اور یہ کہ اللہ جامع الاضداد ہے۔"

مندرجہ بالا اثر اور ڈاکٹر خالدی صاحب کی توضیح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود اپنی فصاحت اور زبان آوری کا ذکر کیا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے اس اثر کے نقل کرنے میں بے احتیاطی ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے، جیسا کہ اصل عبارت میں تصریح ہے۔ یہ بات حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق فرمائی ہے نہ کہ اپنے متعلق۔ ممکن ہے ڈاکٹر صاحب نے "عمرو" (واو کے ساتھ) ہی لکھا ہو اور کاتب نے اُسے "عمر" بنا دیا ہو لیکن چوں کہ یہ التباس کا موقع تھا اس لیے اس کی وضاحت ضروری تھی۔ اس موقع پر اصل عبارت یہ ہے:-

خالق هذا وخالق عمرو بن العاص واحد[1]	ایک ہی ذات ہے جس نے اُسے بھی پیدا کیا اور عمرو بن العاص کو بھی۔

علامہ ابن عبد البر رم (۴۶۳ھ) نے بھی اسی طرح کا ایک اثر نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:-

كان عمر رضي الله عنه إذا استضعف رجلا في رأيه وعقله قال: أشهد أن خالقك وخالق عمرو واحد[2]	حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کے اندر کم عقلی اور رائے کی کمزوری دیکھتے تو فرماتے، میں شہادت دیتا ہوں کہ تمہارا اور عمرو بن العاص کا خالق ایک ہے۔

ان دونوں آثار کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن حقیقت ایک ہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات اپنے متعلق نہیں بلکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق فرمائی ہے۔

---

(۲) اسی شمارہ کے اثر ۵ میں ایک مخضرمی شاعر سحیم عبد بنی الحسحاس کا نام تین بار آیا ہے

---

[1] البیان ج ۱ ص ۶۰ نیز دیکھئے عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۶۱ اور الاصابہ ج ۳ ص ۲۔

[2] الاستیعاب ج ۲ ص ۴۳۶۔

اور تینوں جگہ ہائے ہوز کے ساتھ (دہیم) لکھا ہوا ہے جو غلط ہے۔

سحیم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ تھا۔

عمیرۃ ودّع إن تجهزت غادیا   کفی الشیب والاسلام للمرء ناهیا

ڈاکٹر صاحب نے اس مطلع کا مطلب یہ بیان کیا ہے:۔

"نواب اپنی محبوبہ عمیرہ سے لہو و لعب ترک کر دے۔ میں نے اب (برائے جہاد) صبح خیزی کی عادت ڈال لی ہے، یوں بھی بڑھاپا لہو و لعب سے روکنے کے لیے کافی ہے اس کے لیے کسی اور مانع کی ضرورت نہیں۔"

پہلے مصرعہ کے سمجھنے میں ڈاکٹر صاحب سے غلطی ہوئی، یہاں نہ جہاد کا تذکرہ ہے نہ صبح خیزی کی عادت ڈالنے کا دوسرا مصرعہ کے ترجمہ میں بڑھاپے کے ساتھ اسلام کو ذکر نہیں کیا گیا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

"صبح سویرے جب رختِ سفر باندھو تو عمیرہ کو الوداع کہہ لینا۔ کاروبارِ عشق سے باز رکھنے کے لیے کبر سنی اور اسلام کافی ہیں۔"

اس مطلع پر حضرت عمرؓ کا جو تبصرہ جاحظ نے نقل کیا ہے، اس کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے یہ کیا ہے:۔

"اس پر عمرؓ نے فرمایا: اگر تم اسلام کو بڑھاپے پر مقدم کرتے تو میں تمہیں انعام دیتا۔ یہ سن کر سحیم نے کہا: مجھے اس کا احساس نہیں ہوا۔"

اب آیئے کتاب کی اصل عبارت دیکھیں:۔

قال له عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه وأنشده قصیدته التی أولها: عمیرۃ ودع الخ: لو كان شعرك كله مثل هذا لأجزتك، [هكذا وقع فی جمیع

جب سحیم نے حضرت عمر کو اپنا قصیدہ سنایا جس کا مطلع یہ ہے..... تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تمہاری پوری شاعری ایسی ہی ہوتی تو میں تمہیں انعام دیتا (کتاب کے تمام نسخوں

نسخ الكتاب، والحكاية مروية
عن عمر رضي الله تعالى عنه في غير
هذا الموضع كما وقعت داخل الكتاب:
لو قدمت الإسلام على الشيب لأجزتك
قال: ما سعرت يريد ما شعرت فجعل
الشين المعجمة سينا غير معجمة۔
(البیان پہلا ایڈیشن ج ۱ ص ۳۲)

میں حضرت عمرؓ کا قول اسی طرح درج ہے
دوسرے مقامات پر بھی واقعہ حضرت عمرؓ سے
یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم نے
اسلام کو بڑھاپے پر مقدم کیا ہوتا تو میں
انعام دیتا۔ سحیم نے (زبان میں لکنت کی
وجہ سے) جواب میں "ما شعرت" (شین
معجمہ) کی بجائے "ما سعرت" (سین مہملہ)
کہا یعنی مجھے احساس نہیں ہوا۔

جاحظ نے یہ واقعہ جہاں نقل کیا ہے وہاں اس نے یہ بتانا چاہا ہے کہ زبان کی لکنت کی وجہ سے بڑے بڑے ادیب و خطیب بعض حروف کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا نہیں کرپاتے تھے۔ لیکن اس پوری عبارت میں کسی وجہ سے شدید قسم کا خلط واقع ہو گیا ہے۔ اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے اس حجاب کو اٹھانا ضروری ہے۔

البیان والتبیین کی جو عبارت ہم نے اوپر نقل کی ہے وہ مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

پہلا جزء اس کا یہ ہے کہ جب سحیم نے حضرت عمرؓ کو اپنا قصیدہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری پوری شاعری ایسی ہی ہوتی تو میں تمہیں انعام دیتا۔ اس کے معاً بعد دوسرے جزء میں یہ بات کہی گئی ہے کہ کتاب کے تمام نسخوں میں حضرت عمرؓ کا قول اسی طرح درج ہے اور اس کتاب کے علاوہ دوسری جگہوں میں یہی واقعہ حضرت عمرؓ سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم نے اسلام کو بڑھاپے پر مقدم کیا ہوتا تو میں تمہیں انعام دیتا۔

تیسرے جزء میں سحیم کی ایک معذرت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے کہ مجھے اس کا احساس نہیں ہوا۔ اور اسی معذرت کو بجائے "ما شعرت" (شین معجمہ) "ما سعرت" (سین مہملہ) کے لفظوں سے ادا کیا گیا ہے۔

اس خلاصہ پر غور کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا جزء جو ہم نے بریکٹ میں کر دیا ہے' الحاقی ہے۔ اصل کتاب سے اس کا تعلق نہیں ہے جیسا کہ خود اس کے لفظوں سے ظاہر ہے اس اضافے نے درحقیقت اصل کتاب کے آخری جزء کو جس کا تعلق پہلے جزء سے ناممکن تھا۔ ایک اور روایت کا پتہ دیا جس میں حضرت عمرؓ کے ایک دوسرے قول کی ترجمانی کی گئی ہے جس سے اصل کتاب کا آخری جزء متعلق ہو جاتا ہے۔ یعنی اس واقعہ کی دو روایتیں ہیں:

ایک روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قصیدہ سن کر فرمایا: اگر تمہاری ساری شاعری اس طرح کی ہوتی تو میں تمہیں انعام دیتا جیسا کہ کتاب الاغانی میں محمد بن سلام سے منقول ہے [۱]

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے اسلام کو شعر پر مقدم کیا ہوتا تو میں تمہیں انعام دیتا تو سحیم نے معذرت کی اور کہا: مجھے اس کا احساس نہیں ہوا۔ یہ روایت کتاب الاغانی میں ابن عائشہ [۲] اور کنز العمال میں ابن سیرین سے منقول ہے [۳]۔ مبرد نے بھی لکنت کے سلسلہ میں اس کا ذکر کیا ہے [۴]۔

کتاب میں دونوں روایتیں خلط ملط ہو گئی ہیں۔ اس وجہ سے حسن السندوبی نے یہ الحاقی فقرے متن سے نکال دیئے [۵]۔ حافظ نے سحیم کے مطلع کے بعد متصلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو تبصرہ نقل کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اسے نظر انداز کر دیا اور الحاقی عبارت میں جس روایت کا ذکر ہے اس کے مطابق ترجمہ کر دیا اور اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

---

[۱] الاغانی مطبوعہ ۱۲۸۵ھ ج ۲ ص ۳۔ [۲] حوالۂ سابق

[۳] کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۱۲ھ ج ۲ ص ۱۷۱۔ [۴] الکامل مطبوعہ ۱۲۶۵ھ ج اص ۱۰۱

[۵] شرح السندوبی۔ چوتھا اڈیشن ج ۱ ص ۹۴، ۹۵۔

(۱۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے متعلق فرمایا: "کسی موضوع پر بولنے میں مجھے اتنی دشواری نہیں ہوتی جتنی نکاح کا خطبہ دینے میں ہوتی ہے۔"

ابن المقفع سے اس دشواری کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ خطبۂ نکاح میں نگاہیں اور چہرے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی بلکہ تمام حاضرین ہم مرتبہ ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسرے مواقع پر جب خطیب منبر پر کھڑا ہوتا ہے تو سارے حاضرین اسے اپنے سے فروتر نظر آتے ہیں اور وہ بے تکلف ان کو خطاب کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی ایک دوسری وجہ بیان کی ہے جس کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں یہ ہے:-

"بعض لوگ قول عمرؓ کی اس (غلط) تاویل کی طرف نکل گئے ہیں کہ نکاح کے خطیب کو اس بات سے گریز کرنا ممکن نہیں کہ وہ دولہا کی پاک بازی و نیک منشی بیان کرے۔ اس لیے شاید عمرؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ دولہا کی خوبی بیان کریں جو اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا کرتے تو اس طرح آپ ایک بات بول جاتے اور جس کی مدح کرتے اس کی قوم کو اس کے متعلق دھوکہ میں ڈال دیتے۔"

اس کی اصل عبارت یہ ہے:-

"وقد ذهب ذاهبون إلى أن تأويل قول عمر يرجع إلى أن الخطيب يجد بدّاً من تزكية الخاطب فلعله كره أن يمدحه بما ليس فيه فيكون قال زوراً وغرّ القوم من صاحبه"

(البیان ج ۱ ص ۱۴۲)

ڈاکٹر صاحب نے اس عبارت کے آخری جملہ "وغرّ القوم من صاحبه" کا ترجمہ

صحیح نہیں کیا ہے "صاحبہ" کی ضمیر کا مرجع قوم نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور "القوم" سے مراد سارے حاضرین ہیں جن میں دلہن کے لوگ بھی شامل ہیں، یعنی اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نوشہ کی غلط تعریف کرتے تو اولاً یہ جھوٹ ہوتا دوسرے حاضرین کو خصوصاً دلہن والوں کو نوشہ کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا کر دیتے۔

جاحظ کو اس تاویل سے اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں:۔

"و لعمری إن هذا التأويل ليجوز إذا كان الخطيب موقوفا، فأما عمر بن الخطاب رضی الله عنه وأشباهه من الأئمة الراشدين رضوان الله تعالیٰ عليهم فلم يكونوا ليتكلفوا ذلك إلا فيمن يستحق المدح۔

خالدی صاحب نے اس عبارت کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"واللہ یہ تاویل تو اس صورت میں درست ہوتی کہ خطیب صرف خطبۂ نکاح کے لیے ہو رہے عمر رضی یا آپ جیسے ہدایت یافتہ امام تو انھوں نے کبھی کسی کی ستائش کرنے میں ایسا تکلف نہیں کیا کہ جو صفت جس میں نہیں پائی گئی اس کی مدح کریں۔ انھوں اس کی مدح کی جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا۔"

اس مقام پر بھی ڈاکٹر صاحب کو "لیتکلفوا" کے ترجمہ میں دشواری ہوئی۔ تکلف الأمر عربی زبان میں کسی کام کی ذمہ داری لینے اور اسے انجام دینے کو کہتے ہیں۔ اس لیے اس عبارت کا واضح ترجمہ یوں ہوگا:۔

"باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ جیسے ائمہ راشدین تو وہ اسی شخص کے خطبۂ نکاح کی ذمہ داری لیتے جو مدح کا واقعی مستحق ہوتا۔"

عربی زبان کے مشہور ادیب و نقاد عباس محمود العقاد نے ان دونوں راویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"خطبۂ نکاح میں حضرت عمرؓ کی دشواری کے متعلق جو دو باتیں کہی گئی ہیں وہ دونوں صحیح ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ جہاں حضرت عمرؓ کی یہ فطرت تھی کہ وہ لوگوں سے ایک حاکم و قائد کی حیثیت سے گفتگو کرنے کے عادی تھے وہیں ان کی فطری خصوصیات میں وہ بے لاگ سچائی بھی تھی جو کسی رو رعایت کو گوارا نہیں کرتی، حالانکہ اس طرح کے مواقع پر کچھ نہ کچھ رعایت اور رواداری کرنی ہی پڑتی ہے[1]۔"

لیکن خطبۂ نکاح کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معذوری کی یہ دونوں وجہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، صحیح نہیں ہیں اس کی اصل وجہ علامہ شبلی کے الفاظ میں یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں[2]۔"

کلیۃ اللغۃ العربیہ ریاض کے ریڈر استاد عبدالعزیز بن عبد اللہ العجلان نے بھی اپنے ایک مقالہ "الفاروق فی میدان الخطابۃ" میں بعینہٖ یہی رائے ظاہر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"میرے نزدیک اس طرح کے خطبوں میں حضرت عمرؓ کی دشواری کا سبب یہ تھا کہ آپ اپنی فدرتی ذہانت، طباعی اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ہمیشہ الفاظ و معنی میں ندرت اور جدت کو پسند کرتے تھے، ایک ہی جیسی بات کو بار بار دہرانا گراں ہوتا ہے نکاح کے خطبوں میں چوں کہ چند مخصوص الفاظ و اسالیب پر جن سے گریز کرنا ممکن نہیں، انحصار کرنا پڑتا ہے اور ان میں تفنن و تنوع کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے اس لیے وہ آپ پر گراں ہوتے[3]۔"

(۴) ڈاکٹر خالدی صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"احنف سے روایت ہے: عمرؓ کہا کرتے تھے: سرداری کی خواہش کرنے سے پہلے سوجھ بوجھ

---

[1] الفاروق مطبوعہ معارف ۱۹۵۶ء ج ۲ ص ۲۴۴۔ [2] عبقریۃ عمر ص ۱۹۵۔

[3] مجلۃ کلیۃ اللغۃ العربیۃ بالریاض ج ۳ ص ۱۴۷۔

سیکھو۔ عمرؓ یہ بھی کہتے تھے کہ سرداری سیاہی کے ساتھ خوب ہے (اثر ۹،
شمارہ مارچ ۱۹۵۱ء)

لیکن میرے نزدیک یہ دوسرا قول اصل عبارت کا نہیں ہے بلکہ خود احنف کا ہے۔
اس موقع کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"قال الأحنف: قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تفقهوا قبل أن تسودوا،
وكان يقول: السؤدد مع السواد" (البیان ج ا ص ۲۲۰)

"کان یقول" کی ضمیر کا مرجع احنف ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، چنانچہ
اسی کتاب میں جاحظ نے ایک جگہ صراحت کے ساتھ یہ قول احنف کی جانب منسوب کیا ہے:
قال الأحنف: السؤدد مع السواد[1]

اور یہ قول عیون الاخبار اور العقد الفرید میں بھی احنف ہی کی جانب منسوب ہے[2]۔
دوسرے اس اثر کے معنی کی توضیح ڈاکٹر صاحب نے یہ کی ہے:۔
"جب بال سیاہ ہوں یعنی جوانی کے زمانہ میں علم کی طلب یا فن میں مہارت حاصل
کر لینا چاہیے، بالفاظ دیگر زندگی کے کسی نہ کسی شعبے کا علم و فن حاصل کرنے کا
بہترین زمانہ جوانی ہے۔ بڑھاپے میں اس کا حاصل کرنا نہایت دشوار ہے۔"

لیکن زیر بحث اثر میں نہ تو علم کی طلب کا ذکر ہے نہ کسی فن میں مہارت کا۔ قائل کا مقصود
صرف اتنا ہے کہ حکومت اور سرداری کا بہترین اور موزوں ترین زمانہ جوانی ہے چنانچہ
ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے بھی لکھا ہے کہ اس قول سے احنف کی مراد یہ ہے کہ سردار وہی
ہے جسے جوانی ہی میں جب کہ اس کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہوں، سرداری مل جائے
بعض حضرات "سواد" سے مراد عوام لیتے ہیں اور ان کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ

---

[1] البیان ج ا ص ۲۹۲۔ [2] عیون الاخبار ج ا ص ۲۲۹ اور العقد الفرید مطبوعہ
۱۹۴۰ء ج ۲ ص ۲۸۹۔

عوام کے سردار بنانے سے سرداری ملتی ہے نہ یہ کہ آدمی بزعم خود اپنے کو سردار سمجھے۔[۱]

---

(۵) ڈاکٹر صاحب نے میت پر نوحہ کرنے کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"خالد بن الولید کی وفات پر عورتیں آہ وزاری کرنے لگیں تو عمرؓ نے کہا: اگر وہ آہ وزاری میں غلو کر کے باواز بلند ہائے وائے کریں، سینہ کوبی کریں اور نہ اپنا منہ نوچیں تو کوئی حرج نہیں۔" (اثر ۵۹ شمارہ مارچ ۶۵ء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

" وما عليهن أن يُرقن دموعهن على أبي سليمان مالم يكن نقع او لقلقة

(البیان ج ۱ ص ۱۵۱)

لفظ " نقع " کی تشریح میں بہت اختلاف ہے۔ ائمہ لغت اور شارحین حدیث نے متعدد معانی بتائے ہیں۔ ڈاکٹر خالدی صاحب نے ان میں سے کئی معنوں کو جمع کر دیا جب کہ سینہ کوبی کرنے کا " نقع و لقلقة " سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ " لقلقة " کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ اس کے معنی، شور، ہنگامہ اور کہرام کے ہیں۔ لیکن " نقع " کے متعلق پانچ اقوال ہیں۔

(۱) ابو عبید (متوفی ۲۲۴ھ) کا بیان ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک " نقع " سے مراد چیخ چیخ کر رونا ہے[۲] لسان العرب میں ہے[۳]:- نقع الصارخ بصوته نقوعا وأنقعه: یعنی آدمی دیر تک مسلسل چیختا رہا۔ نقع الصوت واستنقع یعنی چیخ نکل گئی۔ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے:-

---

[۱] عیون الاخبار ج ۱ ص ۲۲۹۔ [۲] غریب الحدیث لابی عبید مطبوعہ حیدر آباد ج ۳ ص ۲۰۴۔ [۳] لسان العرب (نقع)۔

فمتی ینقع صراخ صادق یحلبوھا ذات جرس وزجل

جب کوئی واقعی چیخ بلند ہوتی ہے تو وہ زبردست جنگ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

حافظ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ اسی اثر کے ساتھ اس نے ابومحجن ثقیب الاکبر کا یہ رجز درج کیا ہے:

إنی إذا ما زبب الأشداق والتج حولی النقع واللقلاق

ثبت الجنان مرجم ودّاق

جب منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے اور ہر طرف چیخ و پکار اور ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے۔ اس وقت میں پوری دلیری کے ساتھ پتھر برساتا ہوں۔

اس رجز میں نہ صرف لفظ " نقع " آیا ہے بلکہ اس کے ساتھ لقلاق کا بھی اسی طرح استعمال ہوا ہے جس طرح اثر زیر بحث میں یہ دونوں لفظ ایک ساتھ آئے ہیں، اور اس استعمال میں ان دونوں لفظوں کی اصل حقیقت کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

(۲) امام بخاریؒ نے " باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت " میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول درج کیا ہے اور خود ہی " نقع " کے معنی " التراب علی الرأس " بتلائے ہیں۔

شیخ الاسلام ابوبکر اسمٰعیلی (متوفی ۳۷۱ھ) نے امام بخاری کے اس معنی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " نقع کے معنی بلاشبہ غبار کے ہیں مگر یہاں اس کا کوئی موقع نہیں ہے۔ یہاں تو نقع سے مراد چیخنا اور چلانا ہے " اس کے جواب میں علامہ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) نے امام بخاری کی اس طرح موافقت کی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک " نقع " سے مراد صرف خاک اور غبار نہیں ہے بلکہ سر پر خاک ڈالنا مراد ہے اور مصیبت زدہ آدمی مصیبت کے وقت عموماً ایسا کیا کرتے ہیں۔ اس لیے دونوں ہی معنی یعنی مصیبت کے وقت سر پر خاک ڈالنا اور بلند آواز سے رونا لیے جا سکتے ہیں۔[1]

---

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۹۔

ابن اثیر (متوفی ۶۰۶ھ) نے امام بخاری کی توضیح کو راجح قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر "نقع" سے مراد چیخنا چلانا لیا جائے تو وہ "لقلقہ" کے ہم معنی ہو جائے گا۔ اس لیے دو لفظوں کو ایک معنی پر محمول کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان کے دو معنی لیے جائیں۔[۱]

ہمارے خیال میں امام بخاری کی یہ تشریح دلیل کی محتاج ہے۔ "نقع" کے معنی غبار کے ضرور آتے ہیں مگر مصیبت یا ماتم کے وقت سر پر خاک ڈالنے کے لیے یہ لفظ معروف نہیں ہے، لغت اور کلامِ عرب سے اس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ "نقع" بمعنی غبار اور "نقع" بمعنی ماتم کے وقت سر پر خاک ڈالنا بالکل دو مختلف چیزیں ہیں، دوسرے معنی کے لیے بہرحال ایک قوی ثبوت کی ضرورت ہے۔

علامہ ابن اثیر کے نزدیک اس معنی کو قبول کرنے کے لیے ترجیح کی وجہ اگر صرف یہی ہے کہ دونوں لفظ مترادف نہ ہو جائیں تو ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ابو محجن نے اپنے رجز میں ان دونوں لفظوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے دونوں کی حقیقت کی طرف نہایت واضح اشارہ کر دیا ہے یعنی میدانِ جنگ میں جب ہر طرف چیخ و پکار بلند ہوتی ہے اور کہرام مچا ہوتا ہے تو میں اس وقت پوری دلیری اور بہادری کے ساتھ پتھر برساتا ہوں۔ اس استعمال کی روشنی میں نقع اور لقلاق میں جو معنوی تفاوت ہے اسے اردو زبان میں لفظ چیخ اور کہرام سے سمجھا جا سکتا ہے۔

(۴) ابو الحسن کسائی (متوفی ۱۹۲ھ) کا خیال ہے کہ "نقع" سے مراد ماتم کے وقت کھانے کا اہتمام کرنا ہے۔ غالباً اس نے "نقع" کو "نقیعہ" سے ماخوذ سمجھ لیا۔ ابو عبید نے اس مفہوم پر اعتراض کیا ہے۔[۲] کیوں کہ مختلف مواقع کی دعوتوں کے لیے عربی زبان میں علیحدہ علیحدہ مستقل الفاظ یہ ہیں۔ مثلاً ختنہ کی دعوت کو "عذیرۃ" کہتے ہیں۔ شادی میں نوشہ کی جانب سے جو دعوت دی جاتی ہے اسے "ولیمہ" کہا جاتا ہے۔ گھر کی تعمیر سے فراغت کی خوشی

---

[۱] نہایۃ ابن الاثیر ج ۴ ص ۱۲۲۔ [۲] غریب الحدیث ج ۴ ص ۲۷۴۔

میں دعوت دی جائے تو اسے "وکیرۃ" کہیں گے۔ "نقیعہ" اس کھانے کو کہتے ہیں جو سفر سے واپس آنے والے کے لیے تیار کیا جائے۔ ماتم کے کھانے کے لیے اس کا استعمال کہیں نہیں ملتا۔ ماتم کے کھانے کیلیے ایک مستقل لفظ "وضیمہ" موجود ہے[1]۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ "نقع" کی جو تشریح کسائی نے کی ہے وہ لغوی اعتبار سے بالکل غلط اور استعمالات سے بے خبری پر مبنی ہے۔

(۴) ابو منصور ازہری (متوفی ۳۷۰ھ) نے ایک قول نقل کیا ہے کہ "نقع" اس آواز کو کہتے ہیں جو چہرہ پیٹنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے[2]۔

(۵) ایک قول یہ ہے کہ "نقع" سے مراد گریبان چاک کرنا ہے۔ ابن الاعرابی (متوفی ۲۳۱ھ) نے لکھا ہے کہ مجھے اس معنی کے ثبوت میں مرار بن منقذ کا ایک شعر ملا گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

نقعن جیوبھن علیّ حیّا　　　　وأعددن المراثی والعویلا

انھوں نے میری زندگی ہی میں اپنے گریبان چاک کر ڈالے اور مجھ پر گریہ و زاری و مرثیہ خوانی کی تیاری کرلی۔

میرے نزدیک مرار کے مذکورہ بالا شعر میں "نقعن" کا لفظ محل نظر ہے۔ گریبان چاک کرنے کے معنی میں کلام عرب کے اندر اس شعر کے سوا جسے ابن الاعرابی نے روایت کیا ہے کوئی اور مثال مجھے نہیں ملی بلکہ اس معنی میں "شق جیوب" کا استعمال بطور روزمرہ کے عربی ادب میں معلوم و مسلم ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ "نقعن جیوبھن" کہیں "شققن جیوبھن" کی نہ ہو اس لیے کہ اس مادہ کا کوئی مشتق اس مفہوم کی تائید نہیں کرتا ہے جو ایک تعجب خیز امر ہے۔ "نقع" کی اس تشریح پر غریب الحدیث کے مصنف ابو عبید کا تبصرہ ملاحظہ ہو جس...

---

[1] فقہ اللغۃ للثعالبی مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ ص ۲۰۹، کتاب التلخیص فی معرفۃ الاشیاء للعسکری مطبوعہ دمشق ۱۹۶۹ء ج ۱ ص ۳۶۹۔ [2] لسان العرب (نقع)۔ فتح الباری ج ۳ ص

ہمارے اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ مرار کے شعر میں "نقعن" کا لفظ تحریف ہے:

قال بعضهم : النقع شق الجيوب وهذا الذی لا أدری ما هو ولا أعرفه وليس النقع عندی فی هذا الحديث إلا الصوات الشديد.[1]

بعض حضرات نے نقع کے معنی گریبان چاک کرنے کے بتائے ہیں۔ اس معنی کا مجھے علم نہیں۔ پتہ نہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں تو "نقع" کے معنی میرے نزدیک چیخنے چلانے کے سوا کچھ نہیں۔

---

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عبدة بن الطبیب کا یہ شعر بہت پسند تھا۔[2]

والعيش شح و إشفاق و تأميل	المرء ساع لأمر ليس يدركه

ڈاکٹر طالدی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

"انسان کسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے لیکن حاصل کرنے نہیں پا، زندگی بجز حرص و درستی احوال یا آرزوؤں ارمانوں کے سوا اور کیا ہے۔"

(نمبر ۱۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء)

اس ترجمہ میں لفظ "اشفاق" کا ترجمہ درستی احوال کیا گیا ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس غلطی کی کوئی توجیہ میں سمجھ میں نہیں آئی اس لیے کہ عبدة کا یہ شعر بہت مشہور ہے اور کسی روایت میں بھی "اشفاق" کی بجائے کوئی ایسا لفظ نہیں آیا جس کے معنی درستی احوال ہوں اور لطف تو یہ ہے کہ یہی لفظ ابوقیس بن الاسلت کے شعر میں بھی آیا ہے اور وہاں ڈاکٹر صاحب نے اس کا صحیح ترجمہ کیا ہے، فیاللعجب۔

(باقی)

---

[1] غریب الحدیث ج ۳ ص ۲۷۶۔ [2] البیان ج ۱ ص ۲۶۲ و شرح اختیارات المفضل للتبریزی تحقیق فخر الدین قباوہ مطبوعہ دمشق ۱۹۷۱ء ج ۲ ص ۶۷۴۔